آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ رحمت مآب

علامہ سید سعید اختر رضوی گوپالپوری

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے اور دور حاضر میں خاندان اجتہاد کے رکن رکین تھے ۔آپ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ ۱۹/جنوری ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔سلطان المدارس میں ۱۹۳۰ء میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۵ء میں فرسٹ ڈویژن سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی ۔آپ کے اساتذہ میں مولانا الطاف حیدر صاحب ،مولانا عبدالحسین صاحب ،مولانا ابن حسن صاحب ،مولانا سید محمد صاحب اور مولانا سید حسین صاحب کے نام نمایاں ہیں ۱۹۴۶ء میں عراق تشریف لے گئے جہاں آیۃ اللہ سید مہدی شیرازی ،آیۃ اللہ سید محسن الحکیم ،آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی اور دوسرے اساتذہ سے فیض حاصل کیا ۱۹۴۹ء میں عراق سے لکھنؤ واپس آئے۔

تدریسی مشاغل

دسمبر ۱۹۵۰ء سے جون ۱۹۷۲ء تک مدرسہ سلطان المدارس میں نائب مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے تدریسی اور انتظامی فرائض انجام دئے ۔کچھ عرصہ بعد آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شیعہ تھیولوجی کے ڈین کی حیثیت سے بلائے گئے جہاں نومبر ۱۹۷۴ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

تلامذہ

تدریس کے اس طویل دور میں سیکڑوں افراد آپ کے چشمہ علم سے فیض یاب ہوئے ان میں سے چند نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا آغا جعفر (پاکستان) مولانا رضی جعفر (پاکستان) مولانا مرزا محمد عالم ،مولانا مرزا محمد اطہر ،مولانا سید حسن نقوی ،مولانا افتخار حسین کشمیری ،مولانا منظور محسن وغیرہم۔

شادی اور اولاد

۱۹۴۳ء میں حضرت باقر العلوم طاب ثراہ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا جن سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں ۔مولانا سید کلب جواد اب آپ کے جانشین ہیں۔

سماجی اور قومی اداروں سے وابستگی

عراق سے واپسی کے بعد ۱۹۶۳ء تک وقتاً فوقتاً مسجد آصفی میں اپنے والد ماجد عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کی عدم موجودگی میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔عمدۃ العلماء کی وفات کے بعد آپ نے یہ منصب مستقل طور سے سنبھال لیا اور آخر عمر تک یہ فریضہ انجام دیتے

رہے۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔جس کی صدارت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہاتھوں میں تھی۔سنٹرل حج کمیٹی اور اردو اکیڈمی کے ممبر رہے۔نیز ایک بار آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر تھے۔یہ مختلف النوع مناصب آپ کی ہمہ گیر شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور اس سے انکی مستحکم علمی بنیاد کی نشان دہی ہوتی ہے۔جو اس زمانے میں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے

بقول پروفیسر مولانا شبیہ الحسن نونہروی ان میں سنجیدگی اور متانت کے آثار بچپن ہی سے موجود تھے مگر کبھی وہ عبوس وقمطریر نہ تھے۔متانت اور حفظ مراتب کے ساتھ ان کی شگفتگی اور کشادہ دستی ان کے اوصاف میں چار چاند لگا دیتی تھی۔ان میں حقیقتاً ایک طرح کی مقناطیسیت تھی ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں طرح طرح کے لوگ شامل تھے اور سب ہی ان کی نیک نفسی خیر خواہی اور ایثار کے معترف تھے ان کے ایسا احباب پرور شخص میں نے کمتر ہی دیکھا ہے۔سادگی اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنے احباب اور بزرگوں کی اتنی مدارات کرتے تھے کہ ان کے یہاں جانے والا مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ان تمام اوصاف کے ساتھ واقعات کا ایسا سلسلہ وابستہ ہے کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک تاریخ بن جائے۔جس کا یہاں موقع نہیں ہے احباب پروری اور سادگی کے یہ اوصاف بھی ان کے ذاتی محاسن کے علاوہ ایسی وراثت تھے جو انہیں ان کے پدر عالی مقدار جناب عمدۃ العلماء مرحوم طاب ثراہ سے براہ راست پہنچے تھے۔

عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد قیادت وخطابت کے نہفتہ اوصاف بھی رفتہ رفتہ ان میں ظہور پذیر ہونے لگے اور پھر تو وہ اس قدر مصروف ہوئے کہ ان کی پوری زندگی معرکے سر کرنے میں گذر گئی۔ان کی عملی جد وجہد اور مجاہدانہ عزم وبصیرت کے جواہر اس وقت کھل کر سامنے آئے کہ جب مدرسہ سلطان المدارس کے تحفظ کی تحریک نے بر صغیر اور بیرونی ممالک میں بھی ہل چل سی پیدا کر دی۔اس مدرسہ کا اپنی موجودہ عمارت میں رہنا جس مجموعی قیادت کا کارنامہ ہے اس میں آقائے شریعت طاب ثراہ کی کمک اور سرفروشانہ جد جہد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حادثہ وفات

آپ ۱۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء بروز شنبہ ۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کو نصیر آباد ضلع رائے بریلی مجلس پڑھنے گئے تھے۔ وہاں سے الہ آباد کے لئے واپسی ہو رہی تھی کہ تقریباً پندرہ کیلومیٹر پہلے پھاپھامئو ضلع الہ آباد کے قریب تقریباً ساڑھے آٹھ بجے رات کو ایک ٹرک نے اس کار کو پیچھے سے کچل دیا جس میں سرکار آقائے شریعت سفر کر رہے تھے۔لاش رات بھر عالم کس مپرسی میں پڑی رہی۔لیکن ۱۴ر دسمبر کی صبح ہوتے ہوتے جب ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا تو جیسے ایک عالم گیر زلزلہ آگیا ہو۔راقم الحروف کے بھی آقائے شریعت کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے اور میں نے یہ خبر تنزانیہ میں ایک تبلیغی سفر پر

جاتے ہوئے کار میں سنی تھی۔نواب گنج تھانہ سے ایمبولنس کے ذریعہ لاش میڈکل کالج الہ آباد لائی گئی۔سیکڑوں کا مجمع نعرہ لگا رہا تھا کہ مولانا کا پوسٹ مارٹم تبھی ہوسکتا ہے جب یہاں ہزاروں پوسٹ مارٹم ہوجائیں جناب سلیم شیروانی ممبر پارلیمنٹ نے اعلیٰ افسران سے مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ اعلیٰ حضرت کی لاش کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ڈاکٹری معائنہ کے بعد میڈیکل کالج کے کمپاؤنڈ میں میت زیارت کے لئے لائی گئی پھر دوبارہ ایمبولنس میں رکھی گئی۔تین بجے سہ پہر کے قریب ایمبولینس آہستہ آہستہ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئی۔ہر قدم پر قافلہ بڑھتا جارہا تھا ایک جیپ جس پر مسلم مجلس کا جھنڈا لگا تھا سورۂ رحمن کی تلاوت کرتی جارہی تھی۔ لکھنؤ سے چالیس کلومیٹر پہلے ایک کثیر مجمع استقبال کے لئے کھڑا تھا۔وہیں آقائے شریعت کے جسد اطہر کو تابوت میں منتقل کر کے ایک کھلی گاڑی میں رکھا گیا۔نو بجے رات کے قریب اعلان کیا گیا کہ سرکار آقائے شریعت کی نماز جنازہ کل نو بجے صبح ادا کی جائے گی۔

پورے لکھنؤ میں کہرام مچا تھا۔مجمع رات ہی سے بڑے امامباڑہ کی طرف بڑھا جاتا تھا جہاں غسل وکفن کے بعد تابوت مسجد آصفی کے مرکزی در میں رکھا تھا۔نو بجے صبح جنازہ کی صفیں امامباڑے کے صحن سے سیڑھیوں تک اور وہاں سے لان تک پہونچیں پھر بھی سب لوگ شرف نماز جنازہ حاصل نہ کرسکے تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی مگر آواز گلوگیر تھی آگے بڑھے تو ٹیلہ والی مسجد کے قریب برادران اہلسنت نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے تھے اجازت لیکے تابوت صحن مسجد کے اندر لے گئے۔مولانا فضل الرحمان صاحب قبلہ امام جمعہ و جماعت اہلسنت کی اقتدا میں نماز جنازہ شروع ہوئی ہزاروں شیعہ سوگوار جو شرکت سے محروم رہ گئے تھے جناب مولانا کی اقتدا میں نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے ؎

کشتیِ صلح و محبت تا لب ساحل گئی
آصفی مسجد سے ٹیلہ والی مسجد مل گئی

یہاں روزنامہ عزائم لکھنؤ کا ایک اقتباس پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

''مولانا سید کلب عابد مجتہد کا ماتم جس ہمہ گیر پیمانے پر ہوا اور اب تک ہو رہا ہے وہ لکھنؤ کی روایت اور مزاج کے خلاف ہے اور مظاہرہ اتنا غیر متوقع ہے کہ شاید کسی اور کو تو کیا مولانا مرحوم کو بھی اپنی زندگی میں اسکا اندازہ نہ رہا ہوگا کہ انہوں نے اپنے قومی کردار اور شخصی عمل اور صلح کن ذہن کے اتنے گہرے اور پائیدار اثرات مسلمانوں کی اجتماعیت پر مرتب کر دئے ہیں کہ انکی وفات نہ صرف شیعہ فرقہ کے لئے ایک حادثۂ عظیم بلکہ سنیوں کے لئے بھی ایک ایسا ناقابل بیان صدمہ جانکاہ ثابت ہوگا کہ وہ صدق دلی اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ انکی ناوقت جدائی پر بے قرار ہو اٹھیں گے۔جس شہر میں شیعہ سنی منافرت کی وجہ سے شیعہ لیڈروں کے لئے سنی فرقہ کے اندر اور سنی لیڈروں کے لئے شیعہ فرقے کے اندر بیگانگی، بلکہ بے تعلقی اور بدگمانی کے ایسے جذبات ابھر چکے تھے کہ انہیں ایک دوسرے کا اس طرح دشمن اور بدخواہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ان سے کسی خیر اور

ہمدردی کی توقع ہی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔اسی شہر میں سب سے بڑے شیعہ لیڈر اور مذہبی پیشوا مولانا کلب عابد مجتہد کی وفات نے بجلی کی طرح ایک ایسے تاسف اور صدمے کی فضا پیدا کر دی کہ سارا سنی فرقہ انکی طرف عقیدت اور جذباتی کیفیت سے مغلوب ہو کر دوڑ پڑا۔ وہ انکی میت کو خوشامد کر کے ٹیلہ شاہ پیر محمد کی اس مسجد میں انکی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے لے گئے، جہاں اب تک شیعہ فرقہ کے مقابلہ میں لڑائی اور کشمکش کا محاذ اور میدان تیار کرنے کے لئے سنیوں کے اجتماعات ہوا کرتے تھے۔اور یہ کیا بات ہوئی کہ ان کی وفات پر سنیوں کے جذبہ عقیدت کی شدت اس نقطہ عروج پر جا پہنچی کہ انکی تعزیت اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے پوری لگن کے ساتھ شہری جلسۂ تعزیت کا اہتمام کرنے پر مجبور ہو گئے''۔

نماز جنازہ کے بعد تابوت چالیس، پچاس علموں کے سائے میں امامباڑہ غفرانمآب کے لئے روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں جنازہ کو آخری دیدار کے لئے گھر کے اندر بھیجا گیا،تھوڑی دیر کے بعد میت اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی۔آدھا گھنٹہ کا راستہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا۔عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین کے پہلو میں انکے فرزند اکبر کو سلا دیا گیا ۔اردو ،ہندی،اور انگریزی کے اخبارات کئی دن تک آقائے شریعت کے تذکروں سے بھرے رہے۔مولانا مرحوم نہ حکومت کے کسی منصب پر فائز تھے نہ کبھی سیاست میں دخل دیا مگر الہ آباد سے لکھنؤ تک مولانا کی لاش گویا سرکاری اعزاز کے ساتھ آئی۔جابجا پولیس کی ڈیوٹی تھی اور جب بھی ایمبولنس پولیس کے سامنے سے گذرتی تھی رائے فل سرنگو کر کے سلامی پیش کی جاتی تھی۔لکھنؤ میں ضلع انتظامیہ اور سرکاری مشینری اس سے زائد سرگرم تھی جتنا سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن ہونے والوں کے لئے ہوتا ہے، ماتمی جلوس کے آگے گھوڑے سوار پولیس اور انکے پیچھے اعلیٰ پولیس افسران پیدل چل رہے تھے۔جلوس کے پیچھے بھی پولیس کے جتھے تھے۔مسلمانوں کی دوکانیں دو روز بند رہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم افراد نے بھی دوکانیں بند رکھیں۔شہر کے اکثر و بیشتر مکانات پر سیاہ جھنڈے تھے۔پندرہ دسمبر کی دوپہر میں تدفین ہوئی اور اسی روز شام کو لکھنؤ کے شہریوں کی طرف سے (جس میں سنی حضرات پیش پیش تھے) امین الدولہ پارک میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور ہندو، مسلم،شیعہ،سنی، مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے مولانا مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

